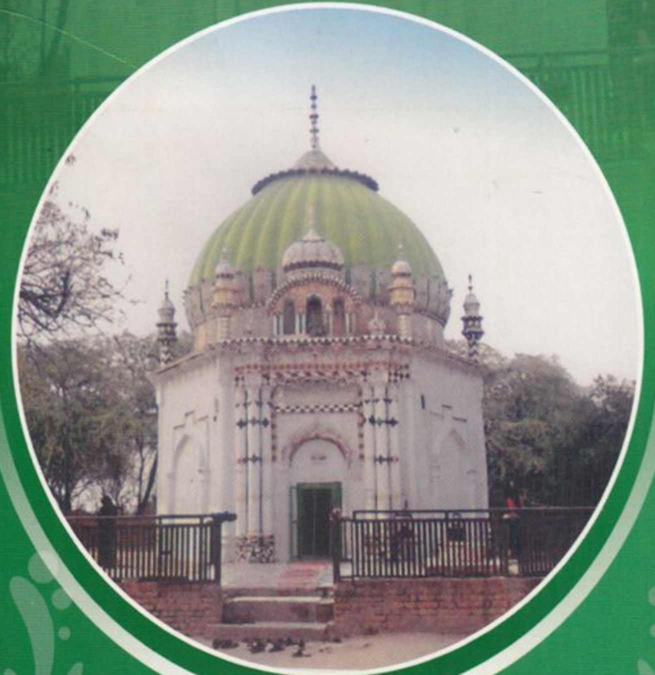
تاجدار ولایت

فضیلت مآب اعلیٰ حضرت

جناب سید زین العابدین کاظمیؒ

المعروف شاہ زین سرکار

اوڈھروال۔ چکوال



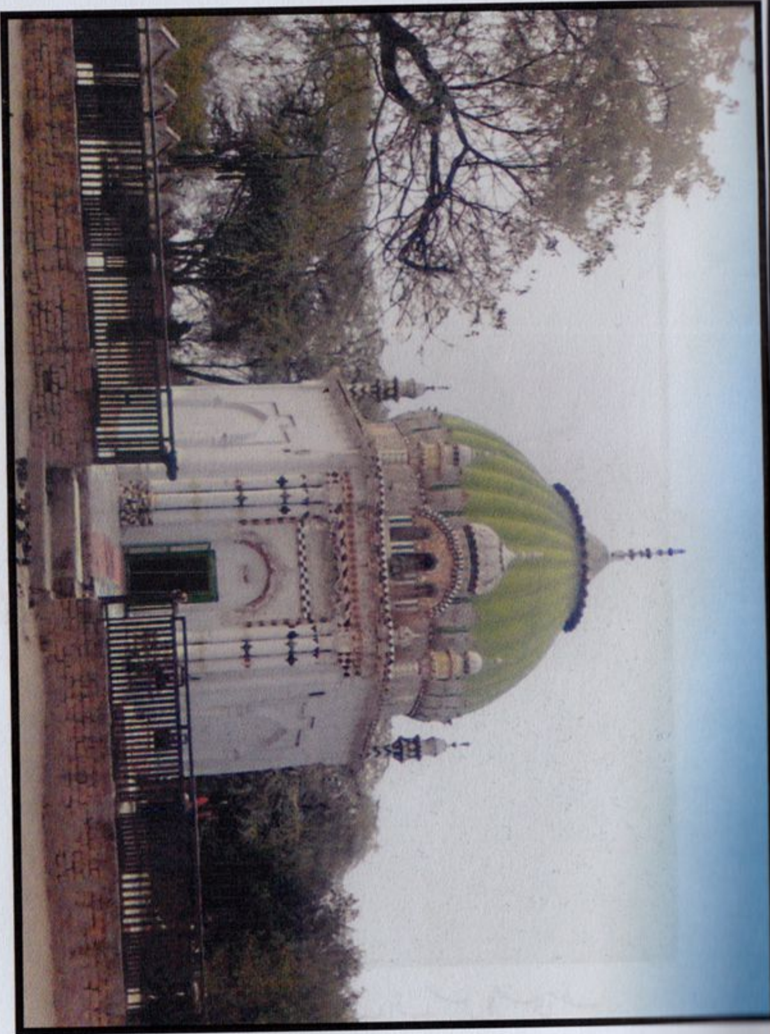
تحقیق و تحریر

آغا سید پھول شاہ کاظمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

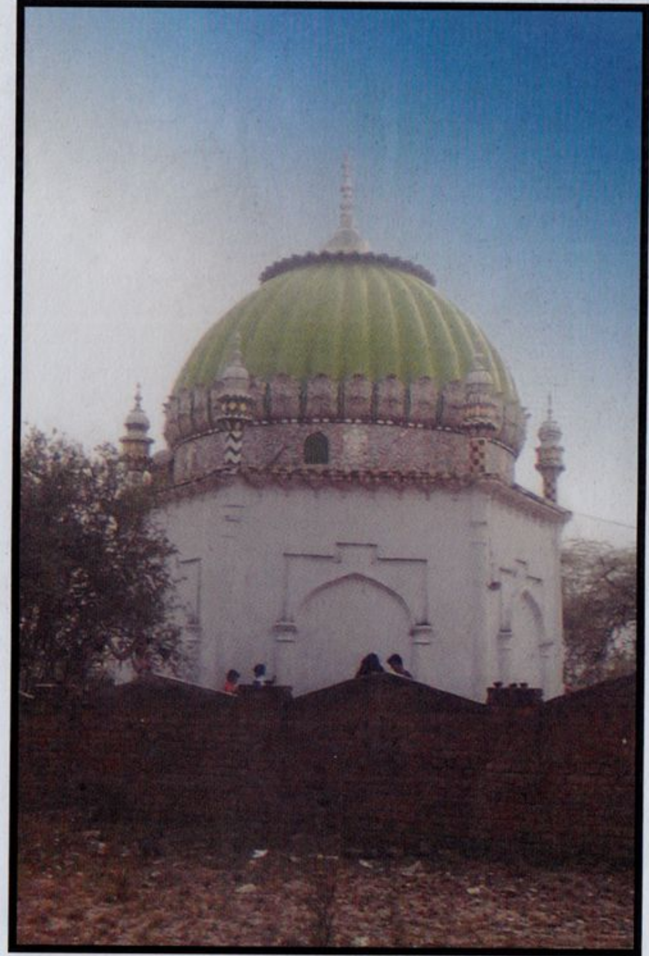
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِک وَسَلِّم





شاہ زین سرکار کے روضۂ مبارک کا بہت ہی خوبصورت اور سرسبز دلکش بیرونی منظر





داداشاہ زین سرکارؒ کے روضۂ اقدس کا عقبی منظر



شمس العارفین قدوۃ السالکین

امام الصالحین

تاجدارِ ولایت

فضیلت مآب اعلیٰ حضرت

جناب سید زین العابدین کاظمیؒ

المعروف

قدس سرہ العزیز

شاہ زین سرکار

اوڈھروال۔ چکوال



اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝
لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي
الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ
ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

ترجمہ:

یاد رکھو! بے شک جو دوست ہیں اللہ کے، نہیں ہے کوئی خوف اُن کیلئے،
اور نہ ہی وہ غمگین ہیں جو ایمان لائے اور (گناہوں سے) بچتے رہے،
ان کیلئے خوشخبری ہے دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں بھی،
نہیں بدل سکتی باتیں اللہ کی، یہ (خوشخبری) ہی ہے عظیم کامیابی۔

سورۃ یونس آیت ۶۲ تا ۶۴





باب رحمت۔ مزار اقدس





دادا شاہ زین سرکار اور دادی بی بی جنگی کے پڑاور سرقند کے درخشاں عکس



نام کتاب	:	شاہ زین سرکارؒ
تحقیق وتحریر	:	آغا سید پھول شاہ کاظمی
فوٹوگرافی	:	شکیل کاظمی
معاونین	:	نازش کاظمی۔ تحسین کاظمی۔ رضیہ شمیم کاظمی۔ عدیل کاظمی۔
کمپوزنگ اور ڈیزائننگ	:	مسعود سمیع
اشاعت باراوّل	:	۵-۱۲-۲۰۱۴
تعداد	:	۱۰۰۰
مطبع	:	ایڈ مائر گرافکس (پرائیویٹ) لمیٹڈ
مقام اشاعت	:	شاخِ گل۔ نشتر آباد پشاور
ہدیہ	:	صرف اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں



انتساب

اپنے جلیل القدر والدین

مکرمہ و معظمہ سیدہ عرش بی بی کاظمیؒ

بنت حافظ حکیم سید عنایت علی شاہ کاظمیؒ

صد قابل احترام آغا جی سید چن پیر شاہ کاظمیؒ

ابن حضرت باوا سید محمد علی شاہ کاظمیؒ

کے نام

جن کی سدا بہار عنبریں دعائیں اب بھی ہمیشہ
ہمارے سروں پر سایہ فگن رہتی ہیں۔



شہدائے کربلائے معلی کی ناقابل فراموش عظیم قربانی کی یاد میں سبزہ زار کے مرمریں چبوترے پر ایک بلند بالا نہایت باوقار، دلکش اور حسین علم مبارک کا جاذب نظر عکس

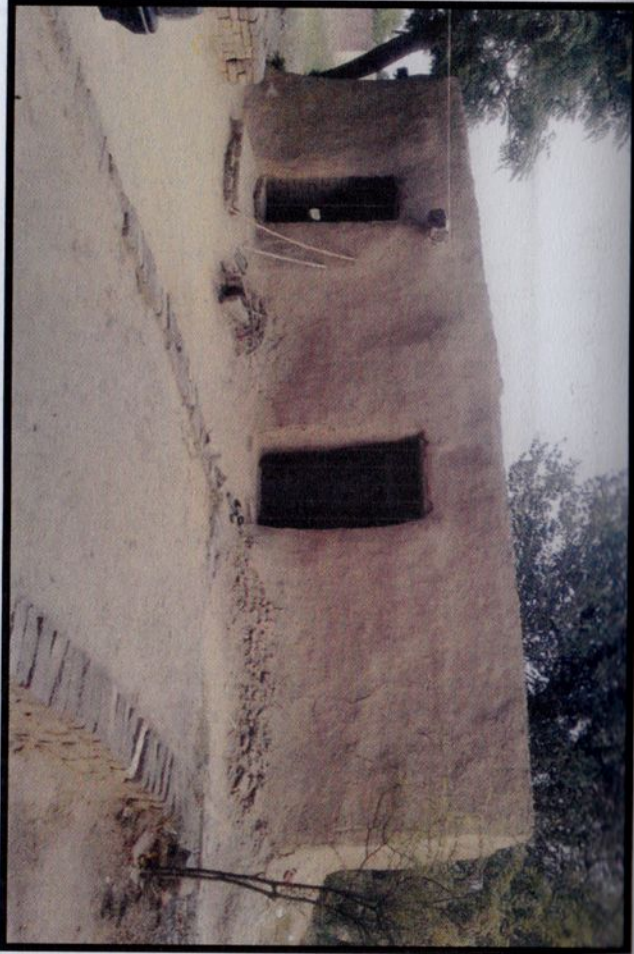


شجرشاہ جوکا ایک سادہ اور دل آویز اور حیران کن عکس

حُسنِ ترتیب

دیکھو یہ میرے خواب تھے دیکھو یہ میرے زخم ہیں
میں نے سب حسابِ جاں برسرِ عام رکھ دیا





یہ مٹی کے گھروندے ، شاہ زین سرکار کے عہدِ حیات میں اُس وقت کی
اُن کی مبارک رہائش گاہ کا تصوراتی عکس





شجرِ شاہ محمود شاہ نورانی سرکار کے عہد کی قدیم مبارک یادگار



محبت ابنِ آدم کا وظیفہ
محبت دہر کا پہلا صحیفہ
محبت آدمیت کا مقدر
محبت زیست کے ماتھے کا جھومر
محبت ابتداء تا انتہاء ہے
محبت نغمۂ صلی اللہ ہے



رحمت دوعالم ﷺ کی سیرت واُسوہ حسنہ

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ میں نے ختمی المرتبت جناب رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ ؐ کا اسوۂ حسنہ اور طریق زندگی کیا ہے۔ آپ ؐ نے ارشاد فرمایا:

معرفت میرا سرمایہ حیات ہے۔
عقل سلیم میرے دین کی اصل ہے۔
محبت الٰہی میری زندگی کی بنیاد ہے۔
شوق میری سواری ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ذکر میرا ساتھی ہے۔
اعتماد میرا خزانہ ہے۔
غم الٰہی میرا ہمراہی ہے۔
علم میرا ہتھیار ہے۔



صبر میری چادر ہے۔
رضائے الٰہی میرا مالِ غنیمت ہے۔
فقر (عجز وانکساری) میرا فخر ہے۔
زہد میرا پیشہ ہے۔
یقین قلبی میری قوت وطاقت ہے۔
صدق میرا حامی وسفارشی ہے۔
اطاعت الٰہی میری کفایت کرنے والی ہے۔
جذبہ جہاد میرا اخلق وکردار ہے۔
نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔



فقر

فقر ...... شرافت کی چادر، پیغمبروں کا لباس اور نیک بندوں کی پوشاک ہے۔

فقر ...... حاجت اور ضرورت قلب پر آ کر ٹھہر جائے اور پروردگار کے علاوہ اور کسی کی محتاجی نہ رہے۔

فقر ...... نہ نعمتیں خوش حال کر سکیں اور نہ تکالیف محتاج بنا سکیں۔

فقر ...... کوئی خواہش نہیں ہوتی اگر کچھ ہوتی ہے تو وہ ضرورت کی حد سے آگے نہیں بڑھتی۔

فقر ...... شکر نعمت ہے۔ نعمتیں عطا ہونے پر شکر بجالانا لازمی ہے۔ اللہ ہر معاملے میں بڑا کارساز ہے۔ ہر حال میں شکر بجالانا چاہئے۔

فقر ...... ایمان کا کمال علم کے ذریعے اور علم کا کمال خوف سے ہے۔ علم ایمان سے حاصل ہوتا ہے اور خوف معرفت کا نتیجہ ہے۔



فقر ...... اگر کوئی چاہے کہ توکل کا حق ادا کرے تو اپنے نفس کے لئے ایک قبر کھود کر اسے اس میں دفن کر دے۔

فقر ...... توکل یہ ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑا جائے۔ علم سرتاپا عبادت کا باب ہے۔ عبادت سرتاپا ورع کا دروازہ ہے اور ورع سرتاپا زہد کا درواز ہے اور زہد مکمل طور پر توکل کا ایک باب ہے۔

فقر ...... استغفار اور توجہ۔ ہر مقام کی اصل بنیاد اور ہر روحانی حال کی کنجی ہے۔ توبہ کا راستہ ازردہ اور پشیمان ہونے سے ملتا ہے۔



فقر کے معجزات تاج و سریر و سپاہ
فقر ہے میروں کا میر، فقر ہے شاہوں کا شاہ
علم کا مقصود ہے پاکیٔ عقل و خرد
فقر کا مقصود ہے عفتِ قلب و نگاہ
علم فقیہہ و حکیم ، فقر مسیح و کلیم
علم ہے جویائے راہ ، فقر ہے دانائے راہ
فقر مقامِ نظر ، علم مقام خبر
فقر میں مستی ثواب، علم میں مستی گناہ
علم کا موجود اور ، فقر کا موجود اور
اشہد ان لا الٰہ ، اشہد ان لا الٰہ
چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغ خودی
ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کار سپاہ
دل اگر اس خاک میں زندہ و بیدار ہو
تیری نگہ توڑ دے آئینۂ مہر و ماہ

علامہ اقبال (بال جبریل)



جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی
دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی

اک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نخچیری
اک فقر سے کھلتے ہیں اسرار جہانگیری
اک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری
اک فقر سے مٹی میں خاصیت اکسیری
اک فقر ہے شبیری، اس فقر میں ہے میری
میراث مسلمانی ، سرمایۂ شبیری

علامہ اقبال (بال جبریل)



تقریظ

اہل احسان وتقویٰ، ابرار واخیار وصالحین کی پاکیزہ اور بابرکت زندگی تذکرہ، حالات وواقعات نویسی کا کام صدیوں سے امت مسلمہ میں رائج ہے۔ دوسری صدی ہجری سے اس کام کا آغاز ہوااور خدا کے فضل وکرم سے آج تک جاری ہے۔امت مسلمہ کے علمائے کرام اور محققین نے اس کام کا بیڑا اُٹھایا اور اہل احسان وتقویٰ کے فیوض وبرکات کو رات دن کی محنت شاقہ اور خلوص نیت کے ساتھ تمام عالم اسلام میں پھیلایا۔ان کی محنت اور خلوص کا ثمر وہ وسیع ذخیرۂ کتب ہے جو آج بالعموم تمام دنیا کی لائبریریوں اور بالخصوص عالم اسلام میں بسنے والے اہل ایمان کے گھر گھر میں موجود ہے۔

بزرگان دین اور آئمہ اطہار علیہم السلام کی حیات طیبہ کے ذکراذکار تمام مومنین کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کی تسکین کا باعث ہیں۔ اہل ایمان اُن کے تذکروں کو حرز

جان بنا کر اپنی دینی ودنیوی زندگی کو سنوارنے کے لئے ہردم کوشاں رہتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ انہی پاکیزہ اور نفیس مردان حق کا کمال تھا کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں اپنی تمام نفسانی خواہشات کو مٹا دیا اس دنیائے فانی کی تمام لذتوں اور آسائشوں سے کنارہ کش ہو کر محض اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی پاسداری، خلق خدا کی خدمت، محبت، ایثار، توکل اور صبر کو اپنا وطیرۂ زیست بنالیا۔ نتیجتاً فاذکرونی اذکرکم کے مصداق اُن کی زندگیاں امت مسلمہ کے لئے روشن چراغ کے مانند ہوگئیں۔ اُن کے مرقد مرجع خلاق ہو گئے اور اُن کی تعلیمات چاردانگِ عالم میں پھیل گئیں۔ اہلِ خرد آج بھی اُن کی تعلیمات سے بے بہا فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں۔ ان پاکیزہ ہستیوں کے تذکرے سن سن کر سنگ دلوں کے قلب بھی موم ہو جاتے ہیں۔ بے راہ روؤں کی بے راہ روی دور ہو جاتی ہے۔ گمراہوں کے قلب روشن ہو جاتے ہیں۔ ان پاکیزہ نفوس کے خیمے ایسی سرسبز وشادات اور مضبوط زمینوں پہ ایستادہ ہیں جہاں سیلاب بلا کا کوئی اندیشہ نہیں جو بھی ان کے خیمے میں داخل ہوا وہ اللہ اور اُس کے حبیب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امان میں آجاتا ہے۔ اُس کی دنیا وآخرت محفوظ و مامون ہو جاتی ہے، ان کی دعاؤں اور روحانی برکات کے وسیلے سے غم و آلام کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور مومنین کی نیک مرادیں پوری ہوتی ہیں۔

زیر نظر کتاب بھی ایک ایسی ہی مقدس ہستی کا مختصر مگر جامع تذکرہ ہے جو محترمی سید پھول شاہ کاظمی نے انتھک محنت اور خلوص نیت کے ساتھ مرتب کیا ہے۔سید پھول شاہ کاظمی خدا اُنہیں عمر دراز بمعہ صحتِ کاملہ عطا فرمائے، خود کاظمی سادات گھرانے کے چشم و چراغ ہیں اور اہلیان پشاور اُن کو نہایت عزت اور توقیر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، سید پھول شاہ کاظمی صوبائی محکمہ تعلیم میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔علاوہ ازیں جب پشاور میں نجی تعلیمی اداروں کا دوردورہ ہوا تو ''سرحد سکول اینڈ کالج'' کے منتظم اعلیٰ کی حیثیت سے وہ اس ادارے سے وابستہ رہے جہاں انتظامی امور کے ساتھ ساتھ وہ درس وتدریس سے بھی منسلک رہے۔

وہ ایک نہایت وسیع المطالعہ اور غیر متعصب شخصیت کے حامل ہیں۔اُن کی پاکیزہ اور حیادار جوانی سے لے کر اُن کے قائم اللیل اور صائم النہار بڑھاپے تک کے سفر زیست کا یہ خاکسار راقم الحروف چشم دید گواہ ہے۔میری زندگی میں اُن کی دعاؤں اور پُرخلوص مشوروں کا ہمیشہ عمل دخل رہا ہے۔خدائے قدوس آغا سید پھول شاہ کاظمی کا سایہ ہمارے سروں پر سدا قائم رکھے۔

آغا سید پھول شاہ صاحب تحریر و تالیف کا کام ایک عرصے سے کر رہے ہیں، انہوں نے نہایت محنت کے ساتھ کاظمی سادات گھرانے کے چیدہ چیدہ بزرگان پاک طینت کے تذکرے قلمبند کئے ہیں تا کہ خلق خدا کو آگاہی حاصل رہے اور اُن کے فیوض و برکات سے مستفیض بھی ہوتے رہیں۔زیر نظر کتاب میں فاضل مؤلف نے نہایت عرق ریزی کے ساتھ

کاظمی سادات گھرانے کے ایک بزرگ فضیلت مآب شاہ زین العابدینؒ کے حالات زندگی مرتب کئے ہیں۔

حضرت زین العابدین سرکارؒ کی ولادت باسعادت 822 ھجری ہے اور جائے ولادت میرپور مظفر آباد ہے۔آپ عوام الناس میں شاہ زین سرکار کے نام سے معروف ہیں۔ آپ ایک نہایت ملنسار، متقی، پیکر حسن اخلاق اور نہایت ہی حلیم الطبع شخصیت کے حامل بزرگ تھے۔

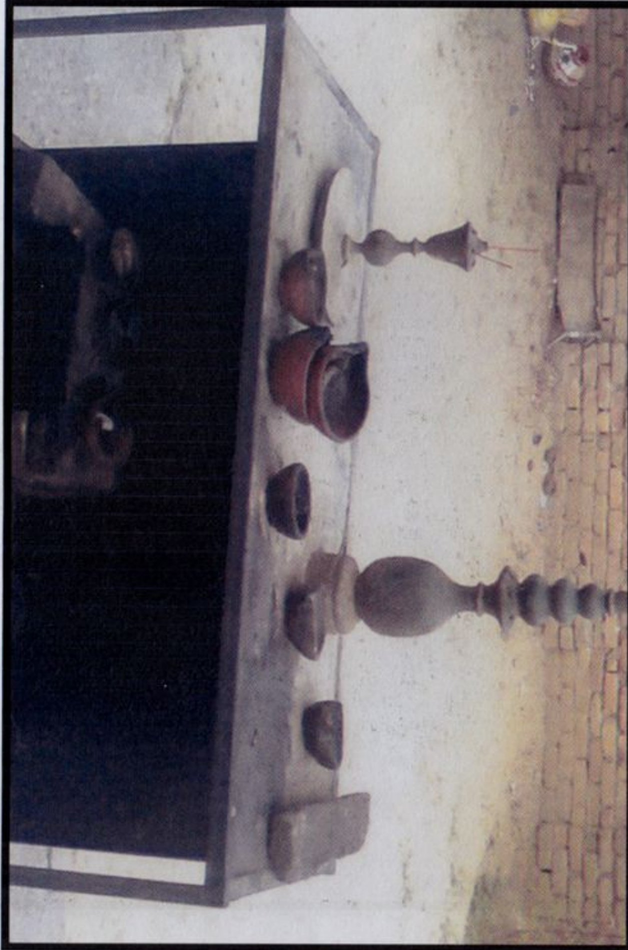
شاہ زین سرکارؒ کافی عرصہ سری نگر (کشمیر) میں رہائش پذیر رہے اور وہیں تبلیغ دین اسلام میں تمام عمر کوشاں رہے۔سری نگر کا مشہور پل ''زین الکدل'' آپ کی کرامات اور کمالات کی روشن نشانی ہے۔آپؒ کی وفات حسرت آیات 900 ھجری میں ہوئی۔روضہ اقدس اڈھروال چکوال میں ہے۔کاظمی سادات کی شاخ ''زینیال'' آپ کے نام نامی سے ہی منسوب ہے اور آپ ہی اس شاخِ زینیال کے جدِاعلیٰ ہیں۔

محترم مؤلف نے شاہ زین سرکار کی حیات بابرکات کے بارے میں تمام معلومات کوشش بسیار اور بڑی تحقیق کے ساتھ اکٹھی کی ہیں۔دراصل شاہ زین سرکار کے حالات مختلف کتب، اور بعض سینہ بسینہ روایات میں ملفوف تھے۔مؤلف نے اُن کو بڑی محنت سے قریہ قریہ گھوم کر اکٹھا کیا۔اپنے بزرگوں کے مخطوطات ومکتوبات جو مختلف مقالات میں بکھرے پڑے

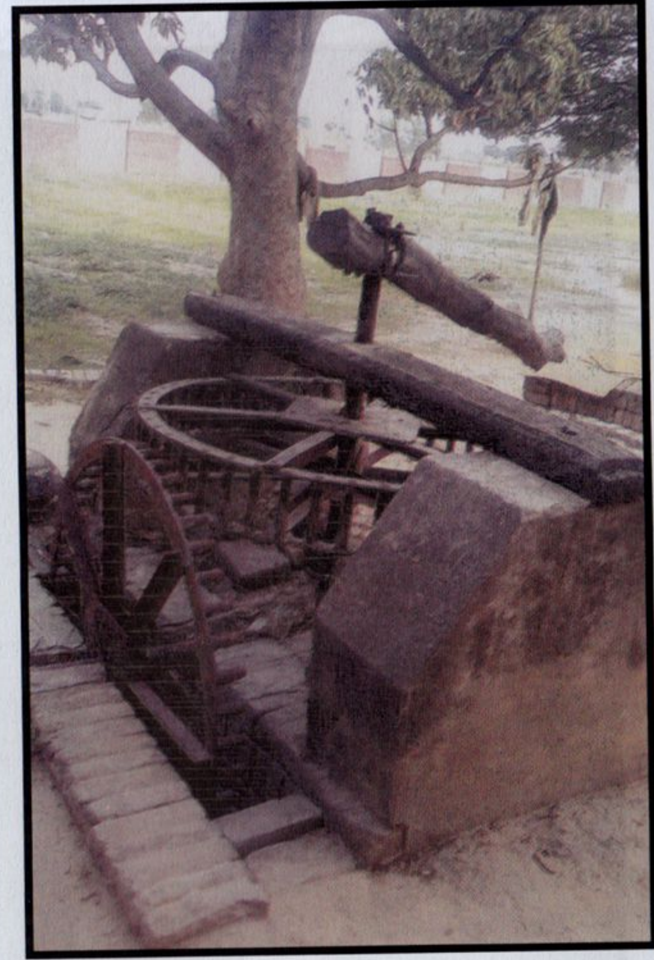
تھے اُن کا بنظرِ غائر جائزہ لیا اور اس کتاب میں وہی کچھ مدرج کیا جو مستند اور تاریخی حوالے سے معتبر تھا۔ یہ ایک کارگراں بار تھا جو محترم مؤلف نے محض اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی رضا اور خوشنودی کے لئے سرانجام دیا ہے۔

میری دعا ہے کہ یہ کتاب تمام اہل دل اور اولیاء اللہ سے محبت وانس رکھنے والوں اور اہل بیت کرام سے محبت کرنے والوں میں خوب خوب پذیرائی حاصل کرے تاکہ ایمان ویقین کو تقویت ملے اور خاصانِ خدا کی محبت ہمارے دلوں میں پیوست ہو جائے اور اُن کے روحانی فیوض و برکات ہمارے شامل حال ہو جائیں اور فلاح دارین نصیب ہو۔ خدا اس کارِ خیر کا اجر جناب سید پھول شاہ کاظمی (مؤلف کتاب) کو اپنی بارگاہ سے عطا فرمائے اور آپ کے اہل وعیال کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

اقبال سکندر
ڈائریکٹر جنرل (ریٹائرڈ)
وزارت اطلاعات
اسلام آباد



پیراں پنجل



ٹھنڈے، شیریں اور ہلکے پانی کا کنواں۔ شاہ زین سرکار کے عہد حیات کی ایک کراماتی یادگار

حق شناساں

سلسلۂ امامت کے چھٹے تاجدار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمانِ ذیشان ہے! عبادت گذاروں کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم اُس گروہ کی ہے جو اللہ کی عبادت خوف کی بناء پر کرتا ہے اور یہ غلاموں کی عبادت ہے۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو اللہ کی عبادت صلے کی خاطر کرتا ہے اور یہ مزدوروں کی عبادت ہے۔ تیسرا گروہ اللہ کی عبادت اُس کی ذات سے محبت اور اخلاص کی وجہ سے کرتا ہے اور یہ آزاد لوگوں کی عبادت ہے اور یہی عبادت کی بہترین صورت ہے۔

(۲۰۸۔ بحار الانوار۔ جلد ۱۵)

بے شک خالقِ حقیقی سے والہانہ محبت اور اُسے عبادت کے لائق جان کر اُسکی عبادت کرنا ہی اصل عبادت ہے۔ جیسے عبادت گذاروں کے کئی گروہ اور کئی اندازِ فکر ہیں اسی طرح بندے اور معبود کے درمیان بھی رغبت اور قربت کی بھی کئی شکلیں منظر عام ہوئیں۔ اِنہی میں سے ایک طریقت بھی ہے جو توحید کے اُصول وحدت الوجود کی ایک شکل ہے۔ طریقت کوئی علیٰحدہ مذہب نہیں بلکہ معرفتِ الٰہی اور روحانی زندگی ہی کے حصول کے طریقوں کا مجموعہ ہے جو اہلِ تصوف کا اختیار کردہ ہے۔ اِن صوفی پیشواؤں کے کچھ جاذبِ توجہ کلمات اور اِن کی مجموعی

تعلیمات کا اگر بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو ان میں اہم اور بنیادی نقاط آشکارہ ہوتے ہیں۔ان پر جو سب سے زیادہ ضربیں لگتی ہیں اس کی ایک اہم وجہ شریعت' طریقت اور حقیقت کے بارے میں ان کا اپنا مخصوص نظریہ ہے۔اہلِ عرفان کے ہاں شریعت' طریقت اور حقیقت کا ایک دوسرے سے تعلق ظاہر اور باطن کا ہے۔یعنی شریعت ظاہر ہے' طریقت باطن اور حقیقت باطن کی بھی باطن ہے۔جو اِن اُصولوں سے آگاہ ہو گیا یا جسے معرفت کی نعمت نصیب ہو جائے اُس کا اپنے آپ کو فراموش کر کے فنا فی اللہ ہونا طریقت کی معراج ہے۔مشائخ کے مطابق طریقۂ معرفتِ نفس صوفیوں کا از خود ایجاد کردہ ہے اور بقول اُن کے اِس طریقے کو اللہ نے اُسی طرح قبول فرما لیا ہے جیسے نصرانیوں نے دعوتِ نصرانیت کے لیے رہبانیت کو اپنے مذہب میں داخل کیا تو اللہ کے نزدیک مقبول قرار پائی۔یوں صوفیاء کا دعویٰ ہے کہ مسلمانوں نے بھی اپنے خالق کی جستجو اور معرفت کے حصول کے لیے انفرادی طور پر بعض ایسے طریقے دریافت کر لیے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا ہے' لہٰذا مشائخِ طریقت میں سے ہر ایک نے جو آداب و رسوم درست سمجھے اپنے مُریدوں کو اس پر عمل پیراء ہونے کا حکم دیا۔مثال کے طور پر اطاعت و تلقین' ذکر و خرقہ اور موسیقی و غنا کا استعمال اور ذِکر کے موقع وَجد اور حال وغیرہ۔یوں بتدریج ایک وسیع اور مستقل پروگرام وجود میں آتا گیا۔

اسلامی افکار اور روحانی تجلیات سے لبریز پیشوایانِ دین کی زندگیاں اپنا حصہ ڈالتی رہیں جس نے دُنیائے اسلام میں عمیق روحانیت کو جنم دیا ہے۔اس معرفت کی فکر یا نظریے کو

اصطلاحاً عرفان یا تصوّف کہا گیا ہے۔عرفان دراصل دین کی باطنیات کو کہا جاتا ہے اور اہلِ عرفان کو علمی لحاظ سے عارف کہا جاتا ہے لیکن معاشرتی پہلو سے اِسے صوفیاء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔بہر حال عرفاء اور صوفیاء مسلمانوں کا کوئی جداگانہ مذہبی فرقہ نہیں سمجھے جاتے اور نہ ہی وہ خود کسی الگ مذہبی فرقہ ہونے کے مدعی ہیں بلکہ یہ لوگ تو تمام اسلامی فرقوں میں پائے جاتے ہیں۔البتہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ معاشرتی نقطۂ نظر سے صوفیاء کا اپنا ایک گروہ اور اپنی ایک جماعت بھی ہے جس کے اپنے مخصوص خیالات' افکار اور طور طریقے ہیں۔یہ لوگ خاص قسم کے لباس پہنتے ہیں' خاص طرح کے بال رکھتے ہیں اور اِس کے لیے اپنی مخصوص خانقاہوں و آستانوں وغیرہ میں رہتے ہیں۔

فکرِ معاش نے انسان کو اتنا مصروف کر دیا ہے کہ روحانی معاملات کی جانب اس کی توجہ نہ ہونے کے برابر ہے تاہم ذاتِ باری تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر قطعی حقیقت کی خواہش اطرح شامل کر رکھی ہے۔اِسی لیے تو یہ خوابیدہ قوت کسی ایک میں بیدار ہو کر بالکل ظاہر ہو جاتی ہے اور اسکے نتیجے میں اُنھیں روحانی ادراک حاصل ہوتے ہیں۔ایک انسان جب صاف دل اور پاک روح کے ساتھ ابدی حقیقت پر نگاہ ڈالتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ دُنیا کے گوناگوں اجزاء کی ناپائیداری پر نظر دوڑاتا ہے تو اُسے اِس اَمر کا احساس ہوتا ہے کہ مظاہرِ دُنیا ایسے آئینے ہیں ان میں ابدی حقیقت کا جمال منعکس ہوتا ہے۔اِس احساس سے انسان ادراک کی جو خوشی حاصل کرتا ہے وہ دوسری ہر قسم کی خوشی کو اس کے دل سے محو کر دیتی ہے اور ہر دوسری چیز اس

کی نگاہوں میں ہیچ اور بے وقعت ہو جاتی ہے۔ یہ نظارہ اہلِ عرفان کے لیے وہی جذبہ ہے جو خدا شناس لوگوں کی توجہ ماورائے ادراک دُنیا کی طرف مبذول کراتا ہے اور اُن کے دل میں فقط اللہ کی محبت پیدا کرتا ہے۔ یہ کشش اُن سے سب کچھ بھلا دیتی ہے اور ان کے دل سے مختلف خواہشیں معدوم ہو جاتی ہیں۔ یہ کشش انسان کی رہنمائی اس غیر مرئی ذاتِ خداوندی کی پرستش اور حمد کی جانب کرتی ہے جو دراصل سب اشیاء سے زیادہ آشکارہ ہے۔ علمِ معرفت و آ گہی درحقیقت ایک باطنی کشش ہے جس نے دُنیا میں بہت سے ایسے مذاہب پیدا کیے ہیں جن کی بنیاد اللہ کی پرستش پر ہے۔ البتہ اِس کشش کو باقاعدہ ایک علم، فکر اور مکتب کی حیثیت سے اگر پروان چڑھایا گیا تو وہ مذہبِ اسلام سے وابستہ علمِ عرفان و آ گہی کا نظریہ ہے۔

آیت اللہ اُستاد شہید مرتضیٰ مطہری رضوان اللہ علیہ کے مطابق جو علوم اسلامی تمدن کی گود میں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے اُن میں سے ایک علم عرفان ہے۔ اس علم پر دو مختلف پہلوؤں سے بحث اور تحقیق ممکن ہے، ایک معاشرتی پہلو سے اور دوسرے علمی پہلو سے۔ اہلِ عرفان اور دوسرے اسلامی علوم کے عالموں مثلاً محدثین، مفسرین، فقہاء، متکلمین، فلاسفہ، ادباء اور شعراء وغیرہ میں ایک اہم فرق یہ ہے کہ گو عارفین کا تعلق بھی ایک علمی طبقہ سے ہی ہے لیکن چونکہ اُنہوں نے علمِ عرفان کے نام سے باقاعدہ ایک علم ایجاد کیا اور اس کے بڑے بڑے عالم بھی پیدا کیے جنہوں نے اس موضوع پر اہم کتابیں تصنیف کیں، اس لیے اُنہوں نے دُنیائے اسلام میں اپنا ایک معاشرتی گروہ بھی پیدا کر لیا جس کی اپنی خصوصیات ہیں۔ دوسرے علمی گروہ

جیسے فقہاء اور علماء وغیرہ صرف علمی گروہ ہی ہیں اور وہ دوسروں سے الگ شمار نہیں ہوتے۔

کسی بھی علم سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس علم کی تاریخ اور اس میں وقتاً فوقتاً جو تغیرات ہوئے ان کے متعلق معلومات حاصل کی جائیں۔ اُن شخصیتوں کا حال معلوم کیا جائے جنہوں نے اس علم کو ایجاد کیا یا اسے ترقی دی اور اس علم کی بنیادی کتابوں سے واقفیت پیدا کی جائے۔ علمِ عرفان و آ گہی کے سلسلے میں تین صورتیں ہمارے سامنے آتی ہیں جس میں پہلی اور ضروری صورت یوں ہے کہ اہلِ عرفان کے مطابق اسلامی عرفان کی نوعیت بھی وہی ہے جو فقہ، اُصول، تفسیر اور حدیث کی ہے۔ یعنی یہ بھی اُنہی علوم میں سے ایک ہے جن کا مواد مسلمانوں نے اسلام سے اخذ کیا ہے اور پھر اس کے قواعد وضوابط اور اُصول دریافت کیے ہیں۔ یا پھر دوسری صورت میں اس کی نوعیت طب اور ریاضی جیسے علوم کی سی نہیں جو ابتداء میں اسلام سے باہر کی دُنیا سے دُنیائے اسلام میں آئے اور مسلمانوں نے اُنہیں اپنے دامنِ تمدن میں ترقی دی اور نقطۂ عروج تک پہنچا دیا۔

متذکرہ بالا صورتوں کے برعکس علمِ معرفت کے بعض معترضین کا اصرار رہا ہے کہ معرفت کے لطیف اور دقیق خیالات دُنیائے اسلام میں باہر سے آئے ہیں۔ اُن کے مطابق عارفانہ خیالات کی اصل مسیحی ہے اور ان خیالات نے مسلمانوں میں ان کے عیسائی راہبوں سے میل جول کے نتیجے میں نفوذ کیا ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ عرفان و تصوف اسلام اور عربوں کے خلاف ایرانیوں کا ردِعمل ہے تو کبھی اس کو افلاطونی فلسفہ کی پیدا وار بتلاتے ہیں کہ یہ

نوافلاطونی فلسفہ خود ارسطو وافلاطون وفیثا غورث کی آراء اور یہودی و مسیحی عقائد کا ایک معجونِ مرکب ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ بدھ مت کے خیالات سے ماخوذ ہے۔ خود دُنیائے اسلام میں بھی عرفان کے مخالفین یہ کوشش کرتے رہے ہیں اور اب بھی کر رہے ہیں کہ کسی طرح یہ ثابت کر دیں کہ عرفان اور تصوّف کی اصل غیر اسلامی ہے اور اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

البتہ ایک اور نظریہ بھی میدان میں آیا ہے کہ عرفان کے عملی اور نظری دونوں پہلو بنیادی طور پر خود اسلام سے ماخوذ ہیں اور اُنہیں اُصولوں کے مطابق اس کے قواعد وضوابط اصولی طور پر مرتب کیے گئے ہیں۔ بعد میں ان پر بیرونی اثرات بھی پڑے ہیں۔ رہی بات اہلِ عرفان اِس میں کہاں تک کامیاب رہے کہ جو ابتدائی مواد اُنھوں نے اسلام سے اخذ کیا اسی کے مطابق صحیح قواعد وضوابط مرتب کئے اور کس حد تک اس کی پابندی کی کہ وہ اسلام کے سچے اُصولوں سے ہٹنے نہ پائیں۔ کیا اسلامی عرفان پر بیرونی اثر صرف معقول حد تک رہا۔ کیا بیرونی اثرات کو اپنے اندر جذب کر کے اُنھیں اپنے رنگ میں رنگ کر ان سے فائدہ اُٹھایا یا اس کے برعکس ان بیرونی اثرات نے اسلامی عرفان کا رُخ موڑ دیا ہے۔ یہ سب سوال ایسے ہیں کہ جن پر بحث اور غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔

بہرحال اگر فرض کر لیا جائے کہ ان لوگوں نے جو عارفین کے نام سے مشہور ہیں اس سرمایہ سے صحیح استفادہ نہیں کیا، جب کہ کچھ دوسرے لوگوں نے جو اس نام سے مشہور نہیں اس سرمایہ سے فائدہ اُٹھایا ہے، پھر بھی اسلامی آثار وروایات، خطبوں، دُعاؤں وغیرہ سے اور

اکابرین اسلام کے حالات سے یہ صاف اندازہ ہوتا ہے کہ صدرِ اوّل میں صرف خشک زہد اور محض اجر وثواب کی اُمید میں عبادت کرنا کافی نہیں تھا۔ روائتوں، خطبوں اور دُعاؤں میں بڑے عالی مضامین آئے ہیں۔

دراصل علمِ عرفان کی آسان تشریح کی جائے تو یوں ہوگی کہ اس علم کا اُستاد اپنے پیروکاروں کو وہ طریقے بتلاتا ہے کہ انسانیت کی معراج یعنی ''توحیدِ الٰہی'' تک پہنچنے کے لیے کہاں سے ابتداء کرنی چاہیئے اور کن ''منازل'' اور ''مقامات'' کو کس ترتیب کے ساتھ طے کرنا چاہیئے۔ اِن منازل میں سالک کو کیا ''احوال'' پیش آتے ہیں اور کونسی ''واردات'' گزرتی ہیں۔ اِس سلسلے میں یہ ضروری ہے کہ یہ تمام منازل کسی مردِ پختہ کار یعنی ''پیر کامل'' کی نگرانی میں طے کی جائیں جو خود اِن منازل سے گزر چکا ہو اور راہ ورسمِ منازل سے بخوبی آگاہ ہو۔ اور اگر فقر کی راہ کے راہ نوَرد کو کسی ایسے مردِ کامل کی رہنمائی میسر نہ ہو تو پھر گمراہی کا اندیشہ رہتا ہے۔

اس سلسلے میں اُصولِ کافی سے ایک ہی مثال پیشِ خدمت ہے۔

''ایک دن نماز کے بعد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ ایک ایسے نحیف ونزار نوجوان پر پڑی جس کا رنگ اُڑا ہوا تھا، آنکھیں اندر دھنسی ہوئی تھیں اور اسے اپنا توازن قائم رکھنا بھی مشکل تھا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا! ''کیا حال ہے؟'' اُس نے کہا! ''میں

یقین کی حالت میں ہوں۔'' فرمایا! ''تمہارے یقین کی علامت کیا ہے؟'' عرض کی ! ''یہ میرا یقین ہی ہے جس نے مجھے غم دیا ہے' جو مجھے راتوں کو جگاتا ہے (شب بیداری) اور دن میں پیاسا رکھتا ہے (روزہ کی وجہ سے)۔ اس نے مجھے دُنیا و مافیہاء سے بیگانہ بنا دیا ہے یہاں تک کہ میں دیکھتا ہوں گویا کہ پروردگار کا عرش لوگوں کے حساب کتاب کے لیے نصب ہے۔ حشر کے میدان میں لوگ جمع ہیں۔ میں بھی اُنہی میں شامل ہوں۔ گویا میں جنتیوں کو جنت کے عیش و آرام میں اور دوزخیوں کو جہنم کے عذاب میں دیکھ رہا ہوں۔ اس وقت بھی میں اپنے کانوں سے آتشِ جہنم کی لپٹوں کی آواز سُن رہا ہوں۔''

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ! ''یہ شخص وہ ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے نورِ ایمان سے منوّر کر دیا ہے۔ پھر اس جوان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا! اپنی اِس حالت کی حفاظت کرو کہیں یہ سَلب نہ ہو جائے۔'' سبحان اللہ۔

ارشادِ رسول مبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے! ''اَنا مدینۃ العلم''، یعنی ''میں علم کا شہر ہوں''، اب اگر غور کیا جائے کہ سردارِ انبیاءؑ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبرانِ خدا کے علم کے وارث کا یہ دعویٰ جو اپنے دامن میں کائنات کے ہر علم سے واقفیت ظاہر کر رہا ہے' کیا یہ دعویٰ بذاتِ

خود اپنی جگہ عرفان و آگہی کی اعلیٰ منزل کی نشاندہی فرماتا ہوا نظر نہیں آتا۔ اور پھر یہ ارشادِ محبوبِ کبریا یوں مکمل ہوتا ہے کہ! ''وَعلی بَابُہا''، یعنی میں ''علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے''

پس یوں پیغمبر اسلام اپنے تعارف اور اپنی منزل کے ساتھ ساتھ دینِ خدا کے مستقبل کیلئے پیر کامل کی بھی نشاندہی کروا رہے ہیں۔ بناء بریں اولین دورِ عرفان میں ہمیں رسول عالمینؐ ہی کی حیاتِ طیبہ' آپ کے حالات' اقوال اور دُعائیں' روحانی جوش اور عرفانی ارشادات سے پُرنظر آتی ہیں جو عارفین کے لیے بہترین استفادہ ہیں۔ بعد ختم المرسلین رسول اکرم ﷺ اور امیر المومنین حضرت امام علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے ملفوظات بھی روحانیت اور معرفت سے لبریز ہیں۔ اِسی لیے تو تقریباً سب اہلِ عرفان و تصوّف اپنے سلسلے مولا مشکل کُشاء ہی سے ملاتے دِکھائی دیتے ہیں۔

مثال کے طور پر نہج البلاغہ میں آپ کے خطبات عرفان و آگہی کی منازل کی نشاندہی فرماتے ہیں۔ آپ کا خطبہ نمبر ۲۲۰ کچھ یوں ہے!

''بے شک اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنی یاد کو دِلوں کے لیے صیقل بنایا ہے۔ اس کے ذریعے سے بہرے سُننے لگتے ہیں' اندھے دیکھنے لگتے ہیں اور سرکش مطیع ہو جاتے ہیں۔ ہر زمانے اور ہر دور میں اللہ جل شانہٗ نے اپنے ایسے بندے پیدا کیے ہیں جن کے ذہنوں میں وہ اپنے راز ڈالتا